وفیات نویسی کی روایت: تاریخی اور عصری تناظر

نمبر شمار	مصنف	ادارہ ہذا
1	طارق ہاشمی	شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان

Abstract: Obituary is considered an important branch of history. There are countless books on this subject in history. As obituaries are written after a person has left this world, so the tradition of writing on burials and tombs exists in almost all regions and languages of the world. An obituary refers to the entry of information about someone's death. The publication of news about the death of someone in a newspaper or advertisement etc. is called obituary. It sometimes contains information about the deceased person's living conditions and burial.

Keywords: Literature, Obituary, Epitaph ology, Burial, Tombs, Death

Email: drtariqhashmi@gcuf.edu.pk

دنیا کی مہذب قوموں میں وفیات نگاری کو تاریخ کی ایک اہم شاخ سمجھا جاتا ہے۔ اس موضوع پر تاریخ میں بے شمار کتب کا ذخیرہ موجود ہے۔ وفیات چوں کہ کسی انسان کے اس جہان سے رخصت ہو جانے کے بعد لکھی جاتی ہے اس لیے مدفونین اور مزارات پر لکھنے کی روایت دنیا کے تقریباً سبھی علاقوں اور
" کہتے ہیں۔ یہ لفظ انگریزی میں اٹھارہویں صدی Obituary زبانوں میں موجود ہے۔ وفیات کو انگریزی میں "
"Toward" کا مطلب "Ob" سے ماخوذ ہے۔ "Obire" عیسوی میں معرض وجود میں آیا۔ یہ لاطینی کے لفظ: "
" کا مطلب (جانا) کے ہیں۔ جس کے معنی "آگے جانا" کے بنتے ہیں۔ Ire (سامنے، آگے یا اگلے) اور "
وفیات نگاری سے مراد کسی کی موت سے متعلق خبر کے اندراج کے ہیں۔ اخبار یا اشتہار وغیرہ میں کسی کی موت کی خبر سے متعلق خبر کے چھپنے کو وفیات نگاری کہتے ہیں۔ اس میں بعض اوقات مرنے والے شخص کی حالات زندگی اور تدفین کے متعلق معلومات درج ہوتی ہیں۔

مختلف ماہرین نے وفیات نگاری کے متعلق مختلف آرا پیش کی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے نزدیک لفظ "وفیات" اسم صفت ہے جس سے مراد کسی کی موت یا موت سے متعلق معلومات ہوتی ہیں۔ وہ اس لغت میں اس کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

"1: اعلانِ وفات؛ مطبوعہ خبر مرگ، جس میں اکثر کسی متوفی کی مختصر سوانح عمری بھی ہوتی ہے۔ 2:
" go (صفت) کسی کی موت سے یا موت کے اندراج سے متعلق؛ موت سے یا وفات سے متعلق: وفیاتی۔ "[1]"

ڈاکٹر جمیل جالبی کی مندرجہ بالا معنی و تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وفیات سے متعلق کسی شخص کی موت یا موت سے متعلق معلومات کو وفیات کہتے ہیں۔

یہ مطبوعہ شکل میں ہوتا ہے یعنی مطبوعہ شکل میں اعلان وفات کو وفیات نگاری کہتے ہیں۔ اس کے مطابق: Chamber 21st Century Dictionary میں اکثر مرنے والے کی مختصر سوانح عمری بھی درج ہوتی ہے۔

"A notice or announcement, especially, in a newspaper, of a person's death, often with the short account of their life. 2: Relating to or recording the death of a person or persons."[2]

The Compact Edition of the Oxford English Dictionary: کے مطابق

A register of death, or of obit days.

2 A) A record of announcement of a death or deaths, especially in a newspaper; usually comprising a brief biographical sketch of the deceased."[3]

Kitabistan Composite Dictionary: کے مطابق

"خبر مرگ ؛(کسی کی) موت کی شائع ہونے والی خبر۔"[4]

مندرجہ بالا تعریفات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وفیات نگاری سے مراد کسی شخص کی موت یا موت سے متعلق معلومات کا اندراج ہے۔ وفیات نگاری میں اگرچہ وفیات نگار کا بنیادی موضوع صرف تواریخ وفات پیش کرنا ہوتا ہے لیکن عام طور پر ایک شخص کی موت کسی جگہ واقع ہوتی ہے اور اس کی تدفین کسی دوسری جگہ پر ہوتی ہے۔ اس لیے وفیات نگار کو اس بات کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ موت سے متعلق توریخ و معلومات کا بہتر طریقہ سے اندراج کرے۔

دنیا کے مختلف ممالک میں وفیات نگاری کے اندراج کا طریقہ مختلف ہے۔ کچھ وفیات نگاری کے رجسٹر میں معلومات کا اندراج کرتے ہیں۔ کچھ تہذیبوں میں قبروں پر کتبے لگائے جاتے ہیں اور ان کتبوں پر تاریخ وفات، نام وولدیت وغیرہ درج ہوتی ہے۔ کچھ کتبوں پر تو مختصر حالات زندگی بھی درج ملتے ہے۔

وفیات نگاری میں کسی بھی اندراج میں مستند تاریخ وفات فراہم کرنا اولین ترجیح ہوتی ہے۔ اگر کسی تاریخ میں ردوبدل ہوجائے تو تصنیف کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔

1. وفیات نگاری کا تاریخی پس منظر:

وفیات نگاری کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ انسان چونکہ وفیات نگاری کا تعلق انسان کی موت سے ہوتا ہے اس لیے جب سے انسان ہے تب سے وفیات نویسی کی روایت چلی آرہی ہے۔ البتہ مختلف قوموں، نسلوں، زبانوں او رملکوں میں اس کی تاریخِ آغاز مختلف ملتی ہے۔ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں میں اس کا اہتمام صدیوں سے کیا جارہے ہے۔ مزارات اور مدفونین پر لکھنے کی روایت تقریباً دنیا کے سبھی علاقوں اور زبانوں می موجود ہے لیکن زمانی اعتبار سے یونانی، لاطینی، مصری اور فرانسیسی اقوام اس فن میں کمال رکھتی ہیں۔ تاریخی طور پر اگر ان اقوام کی تہذیب وثقافت کا مطالعہ کیا جائے تو ان اقوام کی تہذیب وثقافت بہت دلچسپ اور ترقی یافتہ ملتی ہے۔

قدیم یونانی لوگوں کا موت کے متعلق خیال تھا کہ مردہ لوگوں کی دنیا زمین کے نیچے تھی۔ اس لیے وہ مردوں کو دفن کرتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی لاشوں کو چِتا پر جلایا بھی جاتا تھا۔ روح کے بارے یونانیوں کا خیال تھا کہ یہ ایک بچہ کی طرح ہے جس کے پر ہیں اور جو جسم سے نکل کر آسمان پر چلی جاتی ہے اور اس وقت تک وہاں رہتی ہے جب تک کہ دوسرے جسم میں دوبارہ سے پیدا نہ ہو۔ امراء اپنے مقابر کو حسب دولت اور اپنی امارت کی نمائش کے لیے ہر طرح کا خیال رکھتے تھے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

"امراء اپنے مقبروں کو نقش و نگار سے مزین کرتے تھے۔ دیواروں پر ایسی تصاویر بنائی جاتی تھیں جن میں دعوتوں کے مناظر ہوتے تھے۔ مرنے والے کے پسندیدہ کھانے خاص طور پر قبروں میں رکھ دیے جاتے تھے تاکہ آخرت میں خوشی کی زندگی گزارے۔ دفن سے پہلے مردہ جسم کو ایک کوچ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ اس کے پیر دروازے کی جانب ہوتے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ گھر سے باہر جا رہا ہے۔ اس کے ماتھے پر سہرا باندھ دیا جاتا تھا۔ ماتمی لوگ کالا لباس پہن کر جلوس کی شکل میں قبرستان جاتے تھے۔ عورتیں اپنے بالوں کی ایک ایک لٹ کاٹ کر مردے کے ساتھ رکھ دیتی تھیں۔ وہ اپنے گال کو بھی زخمی کر لیتی تھیں تاکہ اس سے خون نکلے۔ یہ غم اور افسوس کے اظہار کے لیے تھا۔"[5]

ڈاکٹر مبارک علی کے اقتباس کی روشنی میں یہ تاریخی حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ یونانی امرا اپنی قبور پر نقش نگاری کرتے تھے اور مقابر پر نقش نگاری یا آرائش اور مزین کرنا زمانہ قدیم سے ہی روایت چلی آ رہی ہے۔ یہ روایت جدید دور میں مختلف فنون کی اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ جس کی مثال ہمیں انگریزی ادب میں بہ کثرت ملتی ہے۔ یونانی اور رومی دونوں کا موت کے لیے تقریباً ایک سا عقیدہ تھا۔ لیکن مقبروں پر لکھنے کی روایت ہمیں رومیوں کے دور میں ترقی یافتہ نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں:

"رومیوں کی عمر کم ہوا کرتی تھی۔ اس کی وجہ بیماریاں، وبائیں اور جنگیں تھیں۔ اس وقت تک ان کے ہاں غذا کا استعمال صحت کے مطابق نہیں تھا۔ طبی سہولتیں بھی پوری طرح میسر نہیں تھیں۔ زیادہ بچے کم عمری میں ہی مر جاتے تھے۔ عورتیں بچے کی پیدائش کے وقت دم توڑ دیتی تھیں۔ اس وجہ سے موت ہر وقت ان کے قریب رہتی تھی۔ پہلے مردوں کو جلایا جاتا تھا، مگر بعد میں انہیں دفن کیا جانے لگا۔ جب جلانے کا رواج تھا تو مردے کو جلانے کے بعد اس کی راکھ کو ایک بوتل میں رکھ کر قبرستان میں دفن کر دیتے تھے۔ قبر پر کتبہ ہوتا تھا۔ جس پر مرنے والے کا نام، ان کی صفات اور کبھی اس کی شبیہ کندہ کر دی جاتی تھی۔"[6]

یونانی اپنے مقابر میں آرائش وغیرہ کرتے تھے لیکن رومی لوگ قبر پر کتبہ لگا کر رکھتے تھے۔ جس پر مرنے والے کا نام، ان کی صفات اور شبیہ کندہ ملتی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وفیات نگاری کی روایت قدیم یونان اور قدیم روم میں بھی موجود تھی۔

وفیات نگاری کے آغاز و ارتقا میں ہمیں قدیم مصری بھی سر فہرست نظر آتے ہیں، ان کی طرزِ زندگی اور طرزِ تدفین بھی ہمیں وفیات نگاری کی ایک عمدہ اور اہم مثال پیش کرتا ہے۔ مصریوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی شروع ہو جائے گی جب کہ کئی مذاہب میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا جسم ختم ہو جاتا ہے مگر اس کی روح باقی رہتی ہے۔ مگر مصری لوگ اس بات کو تسلیم کرتے کہ مرنے کے بعد روح اور جسم دونوں باقی رہ جائیں گے اور مرنے کے بعد لوگ اس دیوتا کے پاس چلے جائیں گے جو کہ مرنے والوں کا دیوتا ہے۔ وہ ان کی نیکی اور بدی کا حساب کرے گا اور اگر لوگ نیک ہوئے تو جنت میں جائیں گے ورنہ انہیں عذاب بھگتنا پڑے گا۔ آخرت کے اس سفر کے لے ی مردہ جسم کو محفوظ کرنا بہت ضروری تھا۔ مصریوں کے اسی عقیدے نے "ممی" بنانے کا فن کو ترقی دی۔ ایف ایس خیر اللہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"حنوط کاری کا طریقہ مصر کی تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف تھا۔ عام طریقہ میں اس عمل کو چالیس سے ستر دن لگتے تھے۔ پہلے جسم کو خشک کر کے اس میں سے آنتیں، مغز وغیرہ نکال کر الگ محفوظ کیا جاتا تھا۔ صرف دل اور گردے جسم میں چھوڑ دیے جاتے تھے۔ جسم کے اوپر بھی مسالہ سے بھری ہوئی پٹیاں کس کر باندھ دی جاتی تھیں۔ اس عمل کے بعد لاش صدیوں تک خراب نہیں ہوتی تھی۔ مصری لوگ جسم کو اس لیے محفوظ کرواتے تھے کیوں کہ ان کے عقیدہ کے مطابق روح کو آئندہ زمانے میں جسم استعمال کرنا درکار تھا۔"[7]

جب مصری لوگ مردہ جسم پٹیاں باندھ دیتے تھے تو اس کے بعد وہ لاش کو لکڑی کے تابوت میں رکھتے تھے۔ جسے تصاویر اور نقش و گاری سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ اس پر مرنے والے کا نام، تاریخ اور عہدہ بھی کندہ ہوتا تھا اور بعض اوقات تابوت پر سے مختصر حالات زندگی بھی ملتی ہے۔ اس لکڑی کے تابوت کو ایک پتھر کے تابوت میں رکھا جاتا تھا اور مقبرے میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ کبھی کبھی چار تابوت۔ ایک کے اندر ایک ہوتا تھا۔ تاکہ مردہ جسم بالکل محفوظ رہے۔ اہرام مصر میں دفن ممیات اور ان کے تابوت پر کندہ نام و تواریخ سے ہمیں مصری تہذیب کے اس طریقہ تدفین سے ہمیں مصری وفیات نگاری کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی قدیم دور میں وفیات نویسی سے آشنا تھے۔

2. اسلامی تاریخ میں وفیات نویسی:

اسلامی تاریخ میں وفیات نویسی کی روایت عربی میں شروع ہوئی اور اس نے دوسری زبانوں خصوصاً فارسی، ترکی اور اردو ادب کو بھی متاثر کیا۔ عربی ادب میں یہ ایک خصوصیت رہی ہے کہ اس میں جب بھی کوئی تصنیف سامنے آتی تو بعد کے مصنفین اس موضوع کو آگے بڑھانے کے لیے اس پر تکملے اور ذیول لکھتے۔ اسلامی ادب میں وفیات نویسی کا بھی یہی حال رہا ہے۔ وفیات نویسی کے حوالے سے قدیم ترین کتاب

یعقوب بن سفیان الفسوی کی ہے جس کا نامکمل نسخہ دستیاب ہے۔ ابو القاسم عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز البغوی کی وفیات الشیوخ اپنے موضوع پر (علی گڑھ سے مطبوعہ) دستیاب پہلی کتاب ہے۔ ان کتب اور نسخوں کے علاوہ عربی ادب میں وفیات نویسی پر بے شمار عمدہ کتب موجود ہیں۔

3. انگریزی ادب میں وفیات نگاری:

انگریزی ادب میں بھی قبرستانوں، مزارات اور مدفونین پر لکھنے کی روایت پائی جاتی ہے۔ یورپی اور امریکی اقوام کے ہاں کتبے تحریر کرنا، کتبے کے میٹریل کا انتخاب کرنا، قبروں کو سجانا وغیرہ باقاعدہ جنون کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ اس فن کو سیکھنے کے لیے باقاعدہ پیشہ وارانہ تربیت اور استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ انگریزی ادب میں وفیات نویسی کے حوالے سے کئی تصانیف بآسانی دستیاب ہیں۔

کہتے ہیں۔ اس جدید دور میں انگریزی ادب Epigraphy or Epitaph ology) انگریزی میں کتبہ نگاری یا کتبہ نویسی کو میں اس شعبے (کی مزید ذیلی شاخیں بھی معرضِ وجود میں آ گئی ہیں اور انگریزی ادب میں اس موضوع پر بے شمار کتب تصنیف ہو چکی ہیں۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں مختلف مقامات اور شہروں کے قبرستانوں پر تحقیق کے نتیجے میں سامنے آنے والی کتب کے مصنفین میں مونٹیتھ رابرٹ، ہیکٹ جان، فروبشر، کالڈ وال ٹھامس، ہنٹ سسل، مائیکل کریگن، سکاٹ ولسن، پیٹریشیا بروکس، مائیکل ٹی بیری، ڈوگلس کیسٹر کے نام سرفہرست ہیں۔

انگریزی ادب میں مندرجہ بالا کتب مختلف ادوار میں وفیات نویسی کے حوالے سے شائع ہوتی رہیں۔ اٹھارہویں صدی کی تصانیف کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہتا ہے کہ انگریزی ادب میں مورخین و وفیات نویسوں نے بہت محنت کے ساتھ وفیات نگاری کے فن کو کھینچا ہے۔ انگریزی ادب میں ایسی تصانیف بھی وفیات نگاری کے حوالہ سے موجود ہیں جن میں انگریزوں کے نظام تدفین، جنازہ، تدفین وجنازہ کے رسوم ورواج اور کتبہ نویسی کے بارے معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ریورنڈر چنگز بینجمن نے اپنی منتخب مضامین کی کتاب میں کتبہ نویسی اور تدفین کے نظام پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب میں کل 506 الواح " کے عنوان سے شائع Voices from the Tombs فراہم کیے گئے ہیں۔ اسی کتاب کا دوسرا ایڈیشن 1858ء میں " ہوئی۔

4. اردو میں وفیات نویسی:

وفیات نگاری اسلامی تاریخ کا ایک لازمی جزر رہا ہے۔ عربی، فارس اور ترکی زبان میں اس کا اہتمام صدیوں سے کیا جا رہا ہے۔ لیکن اردو زبان میں اس کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں مرزا سنگین بیگ نے "سیر المنازل" میں اور مولوی نور احمد چشتی نے "تحقیقات چشتی" مین متعلقہ شہروں کے بعض مشاہیر کی قبروں کے کتبے بھی نقل کیے ہیں۔ اسی طرح بیسویں صدی عیسوی میں پروفیسر

مولوی محمد شفیع نے سندھ میں ٹھٹھہ، روہڑی اور دیگر علاقوں میں بعض قدیم مقابر کے کتبے نقل کیے ہیں۔ مولانا عطاالرحمٰن قاسمی نے "الواح الصنادید" کے عنوان سے دو جلدوں میں کتاب لکھی ہے۔ جلد اول 1987ء میں طبع ہوئی جس میں قبرستان مہندیاں دہلی میں مدفون مشاہیر کے احوال وکتبات شامل ہیں۔ ان کی جلد دوم 1991ء میں طبع ہوئی جس میں دہلی میں مدفون دیگر مشاہیر کا تعارف اور الواحِ قبور شامل ہیں۔

اردو کے علمی و ادبی جرائد کا جائزہ لیا جائے تو وفیات نگاری کا خصوصی اہتمام نظر آتا ہے۔ ماہ نامہ "قومی زبان، کراچی" تیس برس سے وفیات نگاری کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں بھی سوانح پر انسائیکلوپیڈیاز چھپتے رہے ہیں۔ لیکن پاکستان میں باقاعدہ وفیات نگاری کو کتابی شکل میں پیش کرنے کا سہرا "پروفیسر محمد اسلم (مرحوم)" کے سر ہے جنہوں نے کتاب "وفیات مشاہیر پاکستان" کے عنوان سے 1991ء میں شائع کروائی۔ وفیات مشاہیر پاکستان کے پیش لفظ میں جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"گویا اردو زبان میں اس فن کی جس روایت کی سر سید احمد خان اور مولوی نور الدین چشتی نے ابتدا کی تھی، پروفیسر محمد اسلم صاحب نے اسے زندہ رکھا اور آگے بڑھایا ہے۔"[8]

پاکستان میں وفیات کے موضوع پر یہ پہلی کتاب تھی جو بہت جامع انداز میں تصنیف کی گئی۔ اس کتاب میں 14 اگست 1947ء تا 14 اگست 1987ء تک وفات پانے والی پاکستانی شخصیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں پاکستان کے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے کوائف شامل کیے گئے ہیں۔ اسی برس میں اُن کی ایک اور تصنیف "خفتگان کراچی" کے نام سے بھی شائع ہوئی۔ بعد ازاں 1993ء میں "خفتگان خاک گجرات" کے نام سے ایک اور تصنیف منظر عام پر آئی۔

پاکستان میں وفیات نگاری کے سلسلے میں مالک رام اور منیر احمد سلیچ کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ وفیات کے حوالہ سے مالک رام کی تصنیف "تذکرہ ماہ و سال" کے عنوان سے 1991ء میں شائع ہوئی۔ مزید اس سلسلے میں منیر احمد سلیچ کا نام ملتا ہے جنہوں نے پاکستان میں وفیات نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"تاہم پچھلے چند برسوں میں اس شعبے کو ایک ایسا فعال، محنتی اور تازہ محقق میسر آیا ہے جس نے دیکھتے ہی دیکھتے وفیات نگاری کے میدان میں ایسے کارنامے انجام دیے ہیں کہ صدیوں کی غفلت اور تغافل شعاری کا کفارہ ادا ہو گیا ہے اور اب ایک اردو وفیات نگاری کا شعبہ مرکزِ نگاہ اور ہدفِ توجہ بن گیا ہے۔ یہ تازہ کار، فعال اور محنتی ڈاکٹر منیر احمد سلیچ ہے۔"[9]

وفیات نگاری کے میدان میں ڈاکٹر منیر احمد سلیچ کی اولین مطبوعہ کتاب "خفتگانِ خاکِ گجرات" تھی جو اکتوبر 1996ء میں سلیچ پبلی کیشنز؛ گجرات سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب 320 صفحات پر مشتمل تھی۔ اس کتاب میں منیر سلیچ نے ضلع گجرات کے قرب وجوار میں مدفون مشاہیر کے مختصر حالاتِ زندگی اور الواح قبور پر کندہ عبارات بھی نقل کیں۔ منیر سلیچ کی علمی و تحقیقی کام کی حوصلہ افزائی پاکستان میں وفیات نگاری کے بانی پروفیسر محمد اسلم مرحوم نے ان الفاظ میں کی:

"جناب کا علمی شاہکار باصرہ نواز ہوا۔ اسے دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ جناب نے میرے شروع کردہ کام کو بہت آگے تک بڑھا دیا ہے اور دوسرے اضلاع کے اہلِ علم خفتگان کی اہمیت سمجھا دی ہے۔ جناب کا کام بڑا عالمانہ ہے موجودہ دور کی تاریخ کے اساتذہ بھی اتنی عمیق تحقیق نہیں کر سکتے۔"[10]

پروفیسر محمد اسلم کے ان الفاظ سے ڈاکٹر منیر احمد سلیچ کی علمی ذہانت، اپنے تحقیقی کام سے لگن، دلچسپی اور وفاداری ظاہر ہوتی ہے۔ منیر احمد سلیچ بنیادی طور پر ایک ماہر نفسیات ہیں لیکن بانی وفیات نگاری کے بعد ادب کی اس میدان میں وہ اپنا ایک مقام بنا چکے ہیں۔ وفیات نویسی کے حوالے سے ڈاکٹر منیر احمد سلیچ کی معروف کتب میں "وفیاتِ نامورانِ پاکستان"، "وفیاتِ اہلِ قلم"، "تنہائیاں بولتی ہیں" اور "وفیاتِ نعت گویانِ پاکستان" شامل ہیں۔

کو تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو کم و بیش ہر عہد اور ہر (Obituary) اور وفیات نویسی (Epigraphy) کتبہ نویسی تہذیب میں اس کو اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ وفیات نویسی کی ضرورت انسان کی ذات اور تہذیبی شناخت سے جڑی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زبان کے ادب میں اس کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا۔ جہاں تک اردو زبان میں وفیات بویسی کا تعلق ہے تو اس جانب معدودے چند افراد ہی نے توجہ کی ہے، یہ الگ بات کہ ان اہلِ قلم نے اپنے تحقیقی کام کو جامعیت کے ساتھ سرانجام دیا۔

حوالہ جات

[1]۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، "قومی اردو انگریزی لغت" (طبع اول)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1992ء، ص1336

[2]. Mairi Robinson, "Chamber's 21st Century Dictionary", Edinburgh: Chamber. Annadale Street 43-45, 1996, P-943

[3]. E.S.C. Weiner and J.A. Simpson, "The Compact Edition of the Oxford English Dictionary", Vol. A-O, London, University Press, Oxford, Ely House, 1971, P-1963

[4]. Pro. Bashir A. Qureshi, "Kitabistan Composite Dictionary", Lahore, Kitabistan Publishing Company, 1994. P-463

[5]- مبارک علی، ڈاکٹر، "تہذیب کی کہانی-لوہے کا زمانہ"، لاہور: ایکشن ایڈ انٹرنیشنل پاکستان، 2002ء، ص339

[6]- ایضاً، ص123

[7]- ایف ایس خیر اللہ، "قاموس الکتاب -لغات بائبل"،لاہور: مسیحی اشاعت خانہ، 36 فیروز پور روڈ، 1993ء، ص339

[8]- محمد اسلم، پروفیسر، "وفیات مشاہیر پاکستان" (پیش لفظ) جمیل جالبی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1990ء، ص3

[9]- ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، "حرفے چند"، مکتوب بنام ڈاکٹر منیر سلیچ، اسلام آباد، فروری 2015ء

[10]- محمد اسلم، پروفیسر، (مکتوب) بنام ڈاکٹر منیر سلیچ، محررہ 28 نومبر، 1996ء